MRJ
Al-Mahdi Research Journal
Vol. 2, No. 4 (Oct-Dec 2021)
ISSN (p): 2789-4142 ISSN (e):2789-4150

سیرتِ طیبہ ﷺ کے تناظر میں خواتین کے حقوقِ مالیہ: ایک تحقیقی جائزہ

A Research Review of the Women's Financial Rights in the Context of Seerat-e-Taiba

Muhammad Ziaullah[1]
Abdul Ahad[2]

Abstract:

Islam is one of the true and great religions of the world which sanctified woman and granted her rights from birth to death within four walls. It is Islam that has given women equal rights with men and strengthened their status to half the world. Islam has given women many rights which the West given women after many centuries and many movements and efforts Islam has recognized the sanctity of women in the Western world by granting them all these rights long ago without any demand. The historic journey of women's rights in the Western world began in Britain in 1037 AD in the eleventh century AD and ended in 1984 with the "Charter of Human Rights" issued by the United Nations.

Key Words: *Financial rights, women, seerat, Islamic literature, west*

تمام عالمی مذاہب میں سے اسلام ہی ایک سچا اور عظیم ترین مذہب ہے جس نے عورت کو مقدس بنایا اور چار دیواری میں ہی پیدائش سے لے کر موت تک کے حقوق سے نوازا۔ اسلام کا سورج طلوع ہوا تو عورت کا استحصال بند ہوا، عورت کو دی جانے والی ذلت پر گرہ لگی۔ اور زندہ درگور کی جانے والی رسمِ جاہلانہ ختم ہوئی۔ اسلام نے ہی عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق سے نوازا اور اس کی حیثیت مستحکم کی حتیٰ کہ آدھی دنیا قرار دے ڈالا۔

رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو دو طبقے سب سے زیادہ مظلوم اور قابلِ رحم تھے، ایک غلاموں کا، دوسرا عورتوں کا، یوں تو رسول اللہ ﷺ تمام انسانیت کے لیے ابرِ رحمت بن کر آئے اور ہر انسان کو ظلم اور ناانصافی سے نجات دلانے کی کوشش کی؛ لیکن ان دونوں طبقوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی خاص طور پر تلقین فرمائی حتیٰ کہ مرض وفات میں بھی لوگوں کو اس طرف متوجہ فرمایا، پھر آپ ﷺ نے اس کے لیے محض اخلاقی ہدایات ہی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ایک ایسا نظامِ قانون انسانیت کو دیا جس میں ہر مرحلہ پر خواتین

[1] ایم فل علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔ سی ٹی آئی اسلامیات گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج بوائز صادق آباد
zm003533@gmail.com
[2] سکالر ایم فل علومِ اسلامیہ، خواجہ فرید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، رحیم یار خان
ahad6003@gmail.com

کے حقوق کو خصوصی اہمیت دی گئی، یہ حقوق جیسے زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق ہیں اسی طرح مال سے متعلق بھی ہیں۔

حق کا لغوی مفہوم:

خواتین کے حقوقِ مالیہ سے متعلق لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حق کا معنیٰ ومفہوم واضح کیا جائے:

حق واحد ہے اور اس کی جمع حقوق اور حقاق آتی ہے۔ حق کے لیے انگلش میں Truth , Justice , Right کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ حق کا معنی بیان کرتے ہوئے ابنِ منظور رقمطراز ہیں:

'' الحَقُّ: نَقِيضُ الْبَاطِلِ، وَجَمْعُهُ حُقوقٌ وحِقاقٌ [3]''

" حق یہ باطل کا متضاد ہے اور اس کی جمع حقوق اور حقاق آتی ہے"

علامہ جرجانیؒ کتاب التعریفات میں حق کی تعریف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' الحق: في اللغة هو الثابت الذي لا يسوغ إنكاره [4] ''

" حق لغت میں اس ثابت شئی کو کہتے ہیں جس کا انکار ممکن نہ ہو "

فیروز آبادی حق کا معنی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

'' الحَقُّ: من أسماءِ اللهِ تعالى، أو من صِفاتِهِ [5] ''

" حق اللہ تعالی کے ذاتی یا صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے"

اسی طرح حق کا لفظ حقیقت اور صدق کے معنی میں بھی کچھ فرق کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور اردو زبان میں مطابقت اور موافقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں حق کا لفظ دوسو ستائیس مرتبہ آیا ہے۔[6]

اور حق کا لفظ اللہ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ [7] }

" اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی برحق ہے اور حق کو ظاہر کرنے والا ہے"

ایک دوسرے مقام پر فرمانِ الٰہی ہے:

{ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ [8] }

---

[3] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، بذیل مادہ (ح ق ق) ۱۰/ ۴۹

[4] الجرجانی، علی بن محمد، کتاب التعریفات، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۳ء، باب الحاء، ۱/ ۸۹

[5] فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، موسسہ الرسالہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۲۰۰۵ء، فصل الحاء، ۱/ ۸۷۴

[6] دیکھئے سرور حسین خان، جہانگیری قرآنی اشاریہ، مکتبہ اشاعتِ تعلیمات قرآن، ۱۹۹۲ء، ص ۲۲۵-۲۲۶

[7] القرآن ۲۴: ۲۵

[8] القرآن ۳۱: ۳۰

”یہ اس وجہ سے کہ اللہ ہی برحق ہے“

حق کا اصطلاحی مفہوم:

علامہ شامیؒ حق کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

” الحق ما يستحقه الرجل[9] “

” حق وہ ہے انسان جس کا مستحق ہو“

صاحبِ ”اصولِ قانون“ حق کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

” جب ہم حق کا لفظ اصطلاحی زبان میں استعمال کرتے ہیں تو اس کا متبادل فرض ہوتا ہے لیکن کسی فرد، سوسائٹی یا طبقہ کے مفاد کو تسلیم کرتے وقت ہم عموماً آزادیٔ اختیار اور مراعات کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر ہم کسی کے فرض کی طرف توجہ نہیں دلاتے بلکہ قانون نے جو حق دے رکھا ہے ہم اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔[10] “

حقوق کی اقسام:

حقوق کی بنیادی طور سے کتنی قسمیں ہیں؟؟ اس میں مختلف آراء ہیں۔

پہلی رائے یہ ہے کہ تمام حقوق فی الحقیقت حقوق اللہ ہی ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ حقوق کی بنیادی طور سے دو قسمیں ہیں۔ ا۔ حقوق اللہ ۲۔ حقوق العباد[11]

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

” حقوق اللہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ منہیات ۲۔ مامورات

اور پہلی رائے کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

” حقوق العباد درحقیقت حقوق اللہ ہی ہیں[12] “

پھر حقوق العباد کی تین قسمیں بیان کی ہیں: ا۔ بدنیہ ۲۔ مالیہ ۳۔ عرضیہ[13]

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

” ينقسم الحق باعتبار صاحب الحق إلى ثلاثة أنواع: حق الله، وحق الإنسان، وحق مشترك: وهو ما اجتمع فيه الحقان ولكن قد يغلب حق الله أو حق الإنسان الشخصي[14] “

---

[9] الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲ء، ۴/ ۱۸۸

[10] عزیز احمد، اصول قانون، غضنفر اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۸ء، ص ۱۹۳

[11] محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء ص ۱۷۳

[12] دیکھئے تھانوی، اشرف علی، مولانا، حقوق العباد، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، س۔ن، ص ۴۳ تا ۴۵

[13] ایضاً، ص ۵۲

[14] الزحیلی، وھبہ بن مصطفیٰ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق، س۔ن، ۴/ ۳۶۹

"صاحبِ حق کے اعتبار سے حق تین اقسام میں منقسم ہوتا ہے: اللہ کے حق (کی طرف)، انسان کے حق (کی طرف) اور مشترک حق (کی طرف): اور مشترک حق وہ ہے جس میں دونوں حق جمع ہو جائیں لیکن یا اس میں اللہ کا حق غالب ہو یا انسان کا ذاتی حق غالب ہو"

اسلام میں خواتین کے حقوق کی اہمیت:

دنیا میں کوئی طبقۂ انسانیت ایسا نہیں ہے جس کے حقوق سے متعلق اسلام نے خاموشی اختیار کی ہو بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس کے استحقاق کے مطابق حق ادا کر دیا ہے اور ان حقوق کی ادائیگی سے امنِ عالم کی وابستگی ہے جبکہ ان کا استحصال انسانیت کے زوال کا اہم ذریعہ بنتا ہے۔ انسانی گوشہ ہائے زندگی میں سے ایک اہم گوشہ خواتین کے احوال اور ان کے حقوق کا ہے۔ اسلام نے عورت کو اس کی زندگی سے متعلق تمام حقوق واضح طور پر نہ صرف متعین فرمائے ہیں بلکہ ان حقوق کی فراہمی اور عورت کے ان سے استفادہ کو بھی یقینی بنایا ہے۔ پوری دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی بھی تہذیب اور قانون ایسا نظر نہیں آتا جس نے مکمل طور پر عورت کے حقوق کی پاسداری کی ہو۔ اسلام نے واضح طور پر ان حقوق میں مردوزن کی برابری کی بات کرتے ہوئے فرمایا:

{ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ [15] }

" اور مردوں کا حق عورتوں پر ایسا ہی ہے جیسا دستور کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے"

اسلام نے خواتین کو بہت سے حقوق عطا کیے ہیں جو کہ مغرب نے کئی صدیوں اور کئی تحریکوں اور کئی کوششوں کے بعد خواتین کو دیے ہیں مگر اسلام نے بغیر مطالبہ کے بہت پہلے یہ سارے حقوق عورت کو عطا کر کے اس کے تقدس کا اعتراف کیا ہے۔ مغربی دنیا میں خواتین کے حقوق کا تاریخی سفر گیارہویں صدی عیسوی میں برطانیہ سے ۱۰۳۷ء میں شروع ہوا اور ۱۹۸۴ء کو اقوامِ متحدہ کی جانب سے جاری کردہ "منشورِ انسانی حقوق" پر ختم ہوا۔[16]

خواتین انسانیت کا نصف حصہ ہیں، خدا نے ان سے جو فرائض متعلق کیے ہیں، اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ لطافت کی پیکر ہوں جس میں مہر و وفا، شرم و حیا اور نازک اندامی اس طرح جمع ہوں کہ ان میں محبت کی خوشبو بھی ہو اور شرم و حیاء بھی جو ان کے حسنِ ناز کے لیے زیور کا کام کرتی ہو۔ صنفِ لطیف کے وجود کے اس امتیازی پہلو نے ایک طرف کو ایسی کشش بھی دی ہے جو ہمیشہ مردوں کی محبت کا مرکز ہوتی ہے اور جسمانی اعتبار سے کمزور ہونے کی وجہ سے وہ مردوں کے ظلم و زیادتی اور استحصال کا شکار بھی ہوتی رہی ہے، نیز یہ صورتِ حال تاریخ کے ہر دور

---

[15]القرآن ۲: ۲۲۸

[16]مرتضیٰ حسین، اسلام میں خواتین کے حقوق، سازمان تبلیغ اسلامی، تہران، ۱۴۰۶ھ، ص ۳۳

میں رہی ہے کہ کبھی عورتوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور عصمت کا سودا کیا جاتا تھا تو کبھی زندہ درگور کیا جاتا تھا۔

خواتین کو جو مالی حقوق دیے گئے ہیں ان کا چند بنیادی نکات کے ذریعے احاطہ کیا جاسکتا ہے:

1۔ میراث، ہبہ اور وصیت میں عورتوں کے حقوق

2۔ خواتین کے نان و نفقہ اور ضروریاتِ زندگی کے حقوق

3۔ مہر کا حق اور اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات

4۔ کسبِ معاش کے مختلف ذرائع سے استفادہ کا حق

5۔ خواتین کے لیے اپنی املاک میں تصرف کا حق

1. میراث، ہبہ اور وصیت میں عورتوں کے حقوق:

اسلام سے پہلے دنیا کے اکثر مذاہب میں خواتین کا کوئی حق ہی نہیں سمجھا جاتا تھا، عربوں کا خیال تھا کہ جو لوگ قبیلہ کی مدافعت کر سکتے ہوں، اور لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، وہی میراث پانے کے حقدار ہیں، یہودیوں میں سارا ترکہ پہلوٹھے کا حق مانا جاتا تھا، ہندوؤں کے یہاں بھی عورت کا میراث میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ انیسویں صدی تک یورپ میں عورتوں کو میراث میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، اسلام نے جہاں مرد رشتہ داروں کو حصہ دار بنایا، وہیں ان کی ہم درجہ خواتین کو بھی میراث کا مستحق قرار دیا، والد کی طرح والدہ کو، بیٹے کی طرح بیٹی کو، بھائی کی طرح بہن کو، شوہر کی طرح بیوی کو۔ آج پوری دنیا میں جو خواتین کو ترکہ کا مستحق مانا جاتا ہے، وہ دراصل شریعت اسلامی کا اور تعلیماتِ نبویہ ﷺ کا عطیہ ہے۔

i. حقِ میراث اور خواتین:

اسلام کے قانونِ میراث میں جو رشتہ دار کسی حال میں ترکہ سے محروم نہیں ہو سکتے، وہ چھ ہیں:

جن میں سے تین مرد ہیں: ① باپ ② بیٹا ③ شوہر

تین عورتیں ہیں: ① ماں ② بیٹی ③ بیوی

اس کے علاوہ ذوی الفروض جن کے حصے مقرر کیے گئے ہیں، ان میں مردوں سے زیادہ تعداد خاتون رشتہ داروں کی ہے، اس لیے کہ مرد چھ حالتوں میں ذوی الفروض میں شمار کیا جاتا ہے جبکہ عورت 17 حالتوں میں اس حیثیت سے میراث کی مستحق ہوتی ہے۔[17]

ii. بیٹی کا حقِ میراث:

اگر صرف ایک بیٹی ہے اور کوئی اولاد نہیں تو اس کو کل ترکہ کا نصف ملے گا، اور اگر ایک سے زائد بیٹیاں ہیں اور بیٹا وغیرہ کوئی نہیں تو کل ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

---

[17] رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا، خواتین کے مالی حقوق، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، انڈیا، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰

{يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ [18]}

" اللہ تعالیٰ تمھیں تمہاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے، پھر اگر عورتیں دو سے اوپر ہوں تو ان کے لیے اس کے ترکہ کا دو تہائی ہے، اور اگر وہ ایک ہی عورت ہے تو اس کے لیے نصف ہے"

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں ملتی ہے:

'' عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَتَّى جِئْنَا امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ فِي الْأَسْوَاقِ، فَجَاءَتِ الْمَرْأَةُ بِابْنَتَيْنِ لَهَا، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَاتَانِ بِنْتَا ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ قُتِلَ مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَقَدْ اسْتَفَاءَ عَمُّهُمَا مَالَهُمَا وَمِيرَاثَهُمَا كُلَّهُ، فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا إِلَّا أَخَذَهُ ، فَمَا تَرَى يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَوَاللهِ لَا تُنْكَحَانِ أَبَدًا إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَقْضِي اللهُ فِي ذَلِكَ» ، قَالَ: وَنَزَلَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «ادْعُوا لِي الْمَرْأَةَ وَصَاحِبَهَا» فَقَالَ لِعَمِّهِمَا: «أَعْطِهِمَا الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ، وَمَا بَقِيَ فَلَكَ» [19] ''

" حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ : ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہم بازار میں انصار کی ایک عورت کے پاس آئے ، وہ عورت اپنی دو بیٹیوں کو لائی اور کہنے لگی : اے اللہ کے رسول ﷺ ! یہ ثابت بن قیس کی دو بیٹیاں ہیں جو آپ کے ساتھ جنگِ احد والے دن شہید ہو گیا ، اور تحقیق ان کے چاچا نے ان کا سارا مال اور ساری میراث لے لی ہے اور ان دونوں کے لیے کوئی مال نہیں چھوڑا مگر خود ہی قبضہ کر لیا ہے، اے اللہ کے رسول ﷺ ! آپ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں ؟ پس اللہ کی قسم ان دونوں کا نکاح ہی نہیں ہو سکتا ہاں مگر ان کی ملکیت میں مال ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" اللہ اس بارے میں فیصلہ فرمائیں گے "حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: اور سورۃ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی ، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" عورت اور اس کے مدمقابل کو بلاؤ" پھر آپ ﷺ نے ان دونوں بچیوں کے چاچا سے فرمایا:" ان دونوں کو دو تہائی دے دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو، اور جو باقی ہو وہ تمہارا ہے"

iii. ماں کا حقِ میراث:

اگر میت کی اولاد ہو تو ماں کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اولاد نہ ہو تو ماں کو کل ترکہ میں سے ایک تہائی حصہ ملے گا، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

{وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ [20]}

---

[18] القرآن ۴: ۱۱

[19] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث ، سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب ماجاء فی میراث الصلب، رقم الحدیث ۲۸۹۱

[20] القرآن ۴: ۱۱

” اگر میت کی کوئی اولاد ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین اس کے وارث بنیں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے“

سیرتِ طیبہ ﷺ میں فعلِ رسول سے اس کی تائید ہوتی ہے:

’’ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ :أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهَاأُمٌّ[21]،،

” ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں؛ نبی اکرم ﷺ نے نانی کا چھٹا حصہ مقرر فرمایا اس صورت میں جبکہ ماں موجود نہ ہو“

iv. **بہن کا حقِ میراث:**

حقیقی بہن اگر ایک ہو اور میت کی کوئی اولاد نہ ہو تو اس کو کل ترکہ کا نصف ملے گا، اور اگر دو ہوں یا دو سے زائد ہو تو ان کے لیے کل ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہوگا۔ اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالی ہے:

{ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ[22] }

” اگر کوئی ایسا آدمی مر جائے جس کے اولاد نہ ہو اور نہ ماں باپ، اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کو بھائی کے ترکے میں سے نصف ملے گا، اور اگر بہن مر جائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو تو اس کے تمام مال کا وارث بھائی ہوگا، اور اگر مرنے والے بھائی کی دو بہنیں ہوں تو دونوں کو بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی، اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے“

سیرتِ طیبہ ﷺ میں بھی بہن کے حصہ کا ذکر ملتا ہے:

’’ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: «مَرِضْتُ فَأَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُودُنِي، فَوَجَدَنِي قَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ، فَأَتَانِي وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَهُمَا مَاشِيَانِ، فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَأَفَقْتُ» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي أَوْ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي؟ فَلَمْ يُجِبْنِي شَيْئًا، وَكَانَ لَهُ تِسْعُ أَخَوَاتٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ المِيرَاثِ {يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الكَلَالَةِ} ، قَالَ جَابِرٌ: فِيَّ نَزَلَتْ [23] ،،

” محمد بن منکدر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبد اللہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: میں بیمار ہو گیا، رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، تو انہوں نے مجھے اس حال میں پایا کہ مجھ پر غشی طاری تھی، آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو ان کے

[21]سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب ماجاء فی میراث الجدۃ، رقم الحدیث ۲۸۹۵

[22]القرآن ۴: ۱۷۶

[23]ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، ابواب الفرائض عن رسول اللہ ﷺ، باب میراث الاخوات، رقم الحدیث ۲۰۹۷

ساتھ ابو بکر و عمر بھی چلتے ہوئے آئے، رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور اپنے وضو کا باقی ماندہ پانی میرے اوپر چھڑکا تو مجھے افاقہ ہوا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ! میں اپنے مال میں کیسے فیصلہ کروں ؟ تو آپ نے مجھے کوئی جواب عنایت نہ فرمایا ، اور حضرت جابر کی نو بہنیں تھیں ، یہاں تک کہ آیتِ میراث نازل ہوئی ، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں : یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے"

v. **بیوی کا حق میراث:**

بیوی کو خاوند کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھا اور اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ ملے گا، چنانچہ قرآن پاک اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

{وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ [24]}

" اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو تو ان (بیویوں) کے لیے تمہارے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے"

سیرت طیبہ ﷺ سے اس کی تائید ملتی ہے:

'' عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ امْرَأَةَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَتْ: يَا رَسُولَ الله، إنّ سعد اً هلك وَتَرَكَ ابْنَتَيْنِ وَأَخَاهُ، فَعَمَدَ أَخُوهُ فَقَبَضَ مَا تَرَكَ سَعْدٌ، وَإِنَّمَا تُنْكَحُ النِّسَاءُ عَلَى أَمْوَالِهِنَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ادْعُ لِي أَخَاهُ، فَجَاءَ، فَقَالَ: ادْفَعْ إِلَى ابْنَتَيْهِ الثُّلُثَيْنِ، وَإِلَى الْمَرْأَةِ الثَّمَنَ وَلَكَ مَا بَقِيَ [25] ''

" حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: سعد بن ربیع کی بیوی کہنے لگی: اے اللہ کے رسول ﷺ ! بے شک سعد شہید ہو گیا ہے، اور دو بیٹیاں اور ایک بھائی چھوڑا ہے، سعد کے بھائی نے سعد کے ترکہ پر قبضہ کر لینے کا ارادہ کیا ہے، اور حالانکہ عورتوں کا نکاح ان کے مال کی وجہ سے ہوتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اس کے بھائی کو میرے پاس بلاؤ، آپ نے اسے فرمایا: سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی، اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ دو، اور باقی تم لے لو"

اسی طرح سیرتِ نبوی ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کو دادی، پوتی، خالہ اور پھوپھی

ہونے کی حیثیت سے بھی جائیداد میں سے وراثت کے طور پر حصہ دلایا اور ان تہذیبوں کو سوچنے پر مجبور کیا جو عورت کو مالی معاملات میں ان کے حقوق سے محروم کر کے ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

J.M رابرٹس نے لکھا ہے:

''It's coming was many revolutionary, it kept women for example in an inferior

---

[24] القرآن ۴: ۱۲

[25] ابن أبي حاتم، عبد الرحمن بن محمد، تفسیر القرآن العظیم لابن أبي حاتم، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ۱۴۱۹ھ، ص ۸۸۶

Position But gave them legal rights over property not available to women in many European Countries until the nineteenth century. Even the Slave had rights and inside the community of the believers there were no castes nor in hearted status. This revolution was rooted in a religion which like that of the jaws was not distinct from other sides of life, but embraced them all.[26]’’

”اسلام کی آمد بہت سے پہلوؤں سے انقلابی تھی، مثال کے طور پر اس نے عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں اگرچہ کم درجہ دیا مگر اس نے عورتوں کو جائیداد پر قانونی حق دیا جو کہ یورپ کے اکثر ملکوں کی عورتوں کو ۱۹ویں صدی عیسوی تک بھی حاصل نہ ہو سکتا تھا، حتیٰ کہ غلام بھی حق رکھتے تھے، اور اہل ایمان کی جماعت کے اندر نہ ذات پات تھی اور نہ ہی پیدائشی درجات ، اس انقلاب کی جڑیں ایک ایسے مذہب میں جمی ہوئی تھیں جو کہ یہود کی مانند صرف دوسری زندگی سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ سب کچھ اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا“

مولانا وحید الدین ایک انگریز مصنف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

“Muhammad did not only reform this, but made provision for bettering position of women in respect of inheritance and succession. He has laid down definite and specific rules in respect of the same. [27]”

” محمد ﷺ نے نہ صرف زمانۂ جاہلیت کی حق تلفی کو دور کیا بلکہ عورتوں کے لیے میراث میں حصہ مقرر کیا اور وراثت کے سلسلے میں واضح قوانین مقرر فرمائے“

vi. **حقِ ہبہ:**

ہبہ یہ ہے کہ انسان زندگی میں ہی کسی کو کسی چیز کا بغیر معاوضہ کے مالک بنا دے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

’’ هِيَ تَمْلِيكُ الْعَيْنِ مَجَّانًاأَيْ بِلَا عِوَضٍ [28] ‘‘

”وہ (ہبہ) کسی کو کسی چیز کا مفت میں یعنی بغیر عوض کے مالک بنانا ہے“

ہبہ مرد بھی کر سکتے ہیں اور عورتیں بھی، اسی طرح ہبہ مردوں کو بھی کیا جا سکتا ہے اور عورتوں کو بھی، لیکن ہبہ کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص سارا مال ہبہ کرے تو ہبہ نافذ ہو جائے گا، لیکن انسان کو پوری جائیداد ہبہ نہیں کرنی چاہیئے اس سے ورثہ کو نقصان پہنچے گا۔

آپ ﷺ نے خواتین کو ہبہ پر برانگیختہ کرنے کے لیے مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

’’ يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ، لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ [29] ‘‘

”اے مسلمان عورتو! ہرگز کوئی پڑوسن کسی دوسری پڑوسن کی (دی ہوئی چیز کو) حقیر نہ جانے اگرچہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو“

نیز دوسرے مقام پر فرمایا:

’’ تَهَادَوْا تَحَابُّوا [30] ‘‘

J.M Robert’s, [26]Islam and women , Raman Arty steer ling publisher privet ltd, New Delhi, 1988, P.84

[27]وحید الدین خان، مولانا، خاتونِ اسلام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۴۷

[28]الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار، ۵ / ۶۸۷

[29]البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا، رقم الحدیث ۲۵۶۶

”آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو یہ تمہارے درمیان محبت کا سبب ہے“

vii. حق وصیت:

وصیت سے مراد اپنی موت کے بعد کسی کو کسی شئے یا اس کے منافع کا مالک بنانا ہے۔

چنانچہ ”تحفۃ الفقہاء“ میں ہے:

”الْوَصِيَّة اسْم لتمليك المَال بعد الْمَوْت بطرِيق التَّبَرُّع فِي الْعين وَالْمَنَافِع جَمِيعًا“ [31]

”وصیت موت کے بعد بطور احسان کسی کو شئے اور اس کے منافع دونوں میں مال کا مالک بنانے کا نام ہے“

وصیت کے بارے میں شریعت کی طرف سے دو تحدیدات ہیں:

1. ایک یہ کہ وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ“ [32]

”وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں“

2. دوسرے یہ کہ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے زیادہ سے زیادہ اسی مقدارِ وصیت کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

”وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ“ [33]

”اور ایک تہائی بہت ہے (کافی ہے)“

ان دونوں شرائط کی رعایت کے ساتھ وصیت کا حق مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی، نیز وصیت مرد کے حق میں بھی کی جا سکتی ہے اور عورت کے حق میں بھی، عام حالات میں تو وصیت جائز ہے؛ لیکن اگر باپ کی زندگی میں بیٹے یا بیٹی کا انتقال ہو جائے تو پوتوں، پوتیوں، نواسوں، نواسیوں کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے۔

2. نان و نفقہ اور ضروریاتِ زندگی کا حق:

شریعت نے بنیادی طور پر خواتین سے متعلق اخراجات کی ذمہ داری مردوں پر رکھی ہے۔ اللہ نے مردوں کو جو قوّام یعنی سربراہِ خاندان بنایا ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ خواتین کی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

{الرّجالُ قَوَّامُونَ عَلَى النسآء بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ على بَعْضٍ وَبِمَآ أَنْفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ[34] }

---

[30] ایضاً، الأدب المفرد، دار البشائر الإسلامیۃ، بیروت، ۱۹۸۹ء، باب قبول الهدیۃ، رقم الحدیث ۵۹۴

[31] السمرقندي، محمد بن أحمد، تحفۃ الفقہاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ لبنان، ۱۹۹۴ء، ۳/۲۰۶

[32] سنن ترمذی، ابواب الوصایا عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، رقم الحدیث ۲۱۲۰

[33] البخاری، صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، رقم الحدیث ۲۷۴۴

” مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں“

یہ بات شریعت میں اس قدر ملحوظ ہے کہ اگر ایک مرد اور ایک عورت ایک ہی درجہ کے رشتہ دار ہوں اور نفقہ کے مستحق ہوں تو عورت کو مرد پر ترجیح حاصل ہوگی، مثلاً بیٹے کا نفقہ بالغ ہونے کے بعد اس وقت واجب ہوگا جب کہ وہ معذور ہو اور بیٹی کا نفقہ شادی تک واجب رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص میں یہ صلاحیت نہیں ہو کہ وہ ماں اور باپ دونوں کی ضروریات پوری کر سکے، وہ کسی ایک ہی کے اخراجات ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو ماں کا نفقہ اور اخراجات باپ کے نفقہ پر مقدم ہوں گے۔

نفقہ سے مراد:

نفقہ کے بارے میں خواتین کے حقوق کو سمجھنے کے لیے دو باتیں پیشِ نظر رکھنی چاہئیں:

i. نفقہ میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں؟

ii. نفقہ کن کن خواتین کا واجب ہوتا ہے؟

نفقہ میں بنیادی طور پر پانچ چیزیں شامل کی گئی ہیں:

① خوراک ② پوشاک ③ علاج ④ خادم ⑤ رہائش

جن خواتین کا نفقہ واجب ہوتا ہے وہ بنیادی طور پر تین ہیں:

① ماں ② بیٹی ③ بیوی

1.2۔خوراک:

جہاں تک خوراک کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی مقدار اور معیار کو پوری طرح متعین نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مختلف لوگوں کے ذوق و مزاج اور جسمانی ضروریات میں فرق ہوتا ہے۔ ایسی غذا شرعاً مہیا کرنا واجب ہے جو اس کے لیے موزوں ہو اور کافی ہو، چنانچہ علامہ علاؤالدین کاسانی فرماتے ہیں:

’’ قَالَ أَصْحَابُنَا: هَذِهِ النَّفَقَةُ غَيْرُ مُقَدَّرَةٍ بِنَفْسِهَا بَلْ بِكِفَايَتِهَا، وَإِذَا كَانَ وُجُوبُهَا عَلَى سَبِيلِ الْكِفَايَةِ فَيَجِبُ عَلَى الزَّوْجِ مِنْ النَّفَقَةِ قَدْرُ مَا يَكْفِيهَا مِنْ الطَّعَامِ وَالْإِدَامِ وَالدُّهْنِ؛ لِأَنَّ الْخُبْزَ لَا يُؤْكَلُ عَادَةً إلَّا مَأْدُومًا وَالدُّهْنُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِلنِّسَاءِ[35] ‘‘

”ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ نفقہ کی مقدار متعین نہیں ہے، بلکہ اتنی مقدار دی جائے گی جو عورت کے لیے کفایت کر جائے، اور جب نفقہ بقدرِ کفایت واجب ہوتا ہے تو شوہر پر اتنا کھانا، سالن اور گھی دینا واجب ہے جو بیوی کے لیے کافی ہو؛ کیونکہ بغیر سالن کے روٹی نہیں کھائی جاتی، اور خواتین کے لیے گھی بھی ضروری ہے“

---

[34] القرآن ۴: ۳۴

[35] الکاسانی، أبو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، دار الكتب العلمية، بیروت، ۱۹۸۶ء، ۴/ ۲۳

نفقہ کے سلسلہ میں قرآن نے یہ اصول ذکر فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنی گنجائش اور صلاحیت کے اعتبار سے نفقہ کا انتظام کرے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

{لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ [36] }

" صاحبِ وسعت کو پنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے، اور جس کے رزق میں تنگی ہو، جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرے"

آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ شوہر پر بیوی کے کیا حقوق ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

'' أَنْ يُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمَ[37] ''

"یہ کہ وہ اسے وہ کھلائے جو وہ خود کھائے"

نفقہ میں جیسے کھانے پینے کی اشیاء شامل ہیں، اسی طرح پکوان کے مروجہ ذرائع اور ان کو محفوظ رکھنے کے لیے موجودہ دور کے وسائل بھی شامل ہونگے بشرطیکہ اس ماحول میں اس کے استعمال کا رواج ہو اور مرد کے اندر اس کی استطاعت ہو، جیسے گیس اور گیس کا چولہا، فریج وغیرہ، یہ اشیاء آج کل متوسط گھرانوں میں ضرورت کا درجہ اختیار کر چکی ہیں۔

2.2۔پوشاک:

لباس انسان کی اہم ضرورت ہے، جس کا مقصد جسم کو چھپانا بھی ہے، اس کو موسم کے اتار چڑھاؤ سے بچانا بھی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ لباس انسان کے لیے زینت بھی ہے۔ اس لیے لباس کی فراہمی میں ان تینوں باتوں کی رعایت رکھنا ضروری ہے:

1. لباس ایسا ہو جو شریعت کے احکام کے مطابق ستر کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔
2. سردی، گرمی کی رعایت ہو۔
3. وہ اس عہد کے مروجہ معیار کے مطابق زینت و آرائش کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔

اس حقیقت کی طرف قرآنِ مجید نے ایک جامع لفظ " معروف " سے اشارہ کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

{ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ [38] }

"اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمہ ہوگا"

نیز آپ ﷺ سے بیوی کے حقوق کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

'' وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ [39] ''

جو تم پہنو اسی درجہ کا لباس اسے پہناؤ"

[36]القرآن ۶۵: ۷

[37]ابن ماجۃ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجۃ، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، رقم الحدیث ۱۸۵۰

[38]القرآن ۲ : ۲۳۳

[39]سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی زوجھا، رقم الحدیث ۲۱۴۲

یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ عورتوں کے لیے شریعت نے مردوں کے مقابلہ میں زیبائش وآرائش کی زیادہ گنجائش رکھی ہے چنانچہ ریشم، سونا اور زعفرانی رنگ کے کپڑے پہننا مردوں کے لیے ممنوع ہیں تاہم خواتین کو اس کی اجازت ہے۔ خواتین میں چوں کہ فطری طور پر زیبائش وآرائش کا جذب زیادہ رکھا گیا ہے، اور شریعت نے حلال وحرام کے احکام میں اس کی رعایت بھی کی ہے، اس لیے عورتوں کے لباس میں زیب وزینت کا مروجہ معیار کے تقاضوں اور عرفِ زمانہ کے مطابق لحاظ رکھا گیا ہے۔

پوشاک ہی کے حکم میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں، جو عورتوں کو زیب وزینت کے لیے مطلوب ہوتی ہیں جیسے آئینہ، کنگھی، تیل اور زیبائش کے مروجہ وسائل جو شرعاً جائز ہوں، اور جو زیرِ کفالت خاتون کی عمر سے میل کھاتے ہوں، چنانچہ علامہ خرشی مالکی نے نفقہ میں اسبابِ زینت کو بھی شمار کیا ہے:

" وَزِينَةٌ تَسْتَضِرُّ بِتَرْكِهَا كَكُحْلٍ وَدُهْنٍ مُعْتَادَيْنِ وَحِنَّاءٍ [40] "

اور لازم ہیں وہ اسبابِ زینت جن کے نہ ملنے سے عورت کا نقصان ہو، جیسے عام طور پر سرمہ، تیل اور مہندی"

3.2۔ علاج:

انسان کی ایک اہم ضرورت علاج بھی ہے۔ عام طور پر فقہاء نے علاج کو نفقہ میں شامل نہیں رکھا اور بیوی کا علاج شوہر پر لازم قرار نہیں دیا، چنانچہ فقہائے حنفیہ میں سے علامہ شامی رقمطراز ہیں:

" (لَا يَلْزَمُهُ مُدَاوَاتُهَا) أَيْ إتْيَانُهُ لَهَا بِدَوَاءِ الْمَرَضِ وَلَا أُجْرَةِ الطَّبِيبِ [41] "

" نہیں ہے شوہر پر لازم بیوی کا علاج یعنی نہ اس کے درد کی دواء لانا اور نہ ہی ڈاکٹر کی فیس دینا"

لیکن اس سلسلہ میں قرآن وسنت کی کوئی ایسی نص موجود نہیں ہے جو بتاتی ہو کہ علاج کے اخراجات نفقہ میں شامل نہیں ہیں،

اس سلسلہ میں عصرِ حاضر کے مشہور محقق اور عالمِ اسلام کے ممتاز فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

" ويظهر لدي أن المداواة لم تكن في الماضي حاجة أساسية، فلا يحتاج الإنسان غالباً إلى العلاج؛ لأنه يلتزم قواعد الصحة والوقاية، فاجتهاد الفقهاء مبني على عرف قائم في عصرهم. أما الآن فقد أصبحت الحاجة إلى العلاج كالحاجة إلى الطعام والغذاء، بل أهم؛ لأن المريض يفضل غالباً ما يتداوى به على كل شيء، وهل يمكنه تناول الطعام وهو يشكو ويتوجع من الآلام والأوجاع التي تبرح به وتجهده وتهدده بالموت؟! [42]"

---

[40] الخرشی، محمد بن عبد اللہ، شرح مختصر خلیل للخرشی، دار الفکر للطباعۃ، بیروت، س۔ن، ۴/ ۱۸۶

[41] الشامی، ابنِ عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، ۳/ ۵۷۵

[42] الزحیلی، نفس المصدر، بابِ نفقات العلاج، ۱۰/ ۱۱۰

” مجھ پر جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ علاج گذشتہ زمانہ میں بنیادی ضرورت نہیں تھی، انسان کو عام طور پر علاج کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی، اس لیے کہ وہ حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی کرتا تھا، لہذا فقہاء کا علاج ان کے عرفِ زمانہ پر مبنی ہے، اب علاج ویسے ہی ضرورت بن گیا ہے جیسا کھانا اور غذا؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ علاج کی اہمیت ہے؛ کیونکہ اکثر اوقات مریض علاج کو ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کھانا کھائے حالانکہ وہ تکلیف میں ہو، اور ان آلام و مصائب سے کراہ رہا ہو جو اس کے لیے مشقت کا باعث ہیں ،اور جو اس کو موت کے قریب پہنچا رہے ہیں ؟!“

4.2۔ خادم:

انسان اپنی بہت سی ضروریات میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے، اور اس کی بعض ضرورتیں دوسرے انسان کے تعاون کے بغیر پوری نہیں ہو پاتیں، جیسے ضروریاتِ زندگی کا باہر سے خرید کر لانا، پانی یا ایندھن وغیرہ کا بندوبست کرنا، اس پس منظر میں فقہاء نے خادم کے بارے میں بحث کی ہے۔

جن ضروریات کے لیے خادم کی ضرورت ہو، اسے اگر مرد خود انجام دے دے تو اس پر الگ سے خادم کا انتظام کرنا واجب نہیں ہے، ورنہ بشرطِ استطاعت خادم کا نظم کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ زیرِ کفالت خواتین میں ماں کی خدمت کا فریضہ بھی اس پر ہے، اسی طرح بیوی کے انتقال کے بعد کم سن بچوں کی پرورش اور ان کی ضروریات کی تکمیل بھی مرد کی ذمہ داری ہے، اگر بیوہ بہن معذور ہو اور اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو تو بھائی کیسے اس ذمہ داری سے راہِ فرار اختیار کر سکتا ہے؟

5.2۔ رہائش:

نفقہ میں جو ضروریات شامل ہیں، ان میں رہائش بھی شامل ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

{ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ [43] }

” جہاں تم رہو، وہاں بیویوں کو بھی رکھو، اپنی گنجائش کے مطابق“

رہائش گاہ کے معیار کے سلسلہ میں بنیادی چیز مرد کی معاشی صلاحیت اور مقامی عرف ورواج ہے، مثال کے طور پر خلیجی ممالک اور بہت زیادہ گرم مقامات پر ایسے مکان کو آج ضروری سمجھا جاتا ہے، جس میں ائیر کنڈیشن کا انتظام ہو، لیکن پاکستان وغیرہ میں اسے ضروری نہیں سمجھا جاتا تو اسی لحاظ سے رہائش گاہ کا انتظام کرنا واجب ہوگا۔

---

[43] القرآن ٦٥: ٦

رہائش میں صرف مکان ہی داخل ہی نہیں ہے ؛ بلکہ وہ تمام چیزیں رہائش کے لیے ضرورت کا درجہ اختیار کر گئی ہیں، جیسے فرنیچر، موسم کی رعایت کرتے ہوئے بستر وغیرہ کا نظم یا موجودہ دور میں شہری زندگی میں لائٹ اور پنکھے کا انتظام، یہ ساری سہولتیں رہائش کے دائرہ میں آتی ہیں اور حسبِ گنجائش ان کا فراہم کرنا مرد کی ذمہ داری ہوگی۔بعض حالات میں ماں، بیٹی اور بیوی کے علاوہ دوسری رشتہ دار خواتین مثلاً دادی، نانی، پھوپھی، خالہ، بہن، بھتیجی، بھانجی، پوتی اور نواسی وغیرہ کا نفقہ بھی واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ یہ خواتین اپنے خراجات خود پورا کرنے کے موقف میں نہ ہوں، اور جس شخص پر نفقہ واجب قرار دیا جا رہا ہو وہ نفقہ ادا کرنے کے موقف میں ہو، یہ نفقہ محرم رشتہ داروں پر واجب ہوگا، اور جس حساب سے وہ اس کے ترکہ میں سے وارث ہو سکتے ہیں اسی نسبت سے اسے نفقہ ادا کرنا ہوگا۔ایسے خصوصی حالات میں نفقہ ادا کرنے کا خاص اجر ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوِ القَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ[44] ''

”بیوہ اور مسکین کی ضرورت میں کام آنے والا ایسے شخص کی طرح ہے جو اللہ کے راستے جہاد کرے یا رات بھر عبادت کرے، دن بھر روزے رکھے“

3. مہر کا حق:

نکاح سے متعلق ایک اہم مالی ذمہ داری ” مہر “ بھی ہے۔مہر عورت کے وجود کا معاوضہ نہیں ہے، بلکہ عصمتِ انسانی کے احترام کے طور پر مہر ادا کیا جاتا ہے۔مہر واجباتِ نکاح میں سے ہے۔قرآن مجید کی متعدد آیات میں مہر کا ذکر آیا ہے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

{وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً [45]}

” اور تم بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو“

مہر کی مقدار:

مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔اگر کسی شخص نے اس سے بھی کم مہر مقرر کیا تو اس کا اعتبار نہیں، ایسی صورت میں بھی کم سے کم دس درہم کے بقدر واجب ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

'' لا مهر دون عشرة دراهم [46] ''

” دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ہے“

---

[44] البخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل، رقم الحدیث ۵۳۵۳

[45] القرآن ۴:۴

[46] البیہقی، احمد بن حسین، السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔لبنان، ۲۰۰۳ء، ج۷، ص ۳۹۲، رقم الحدیث ۱۴۳۸۲

لیکن اس پر اتفاق ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں، کیونکہ قرآنِ مجید میں مہر کے لیے "قنطار" کالفظ وارد ہوا ہے، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

{ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا [47]}

" اور تم دے چکے ہو ان (بیویوں) میں سے کسی ایک کو ڈھیر سا مال"

امام بیضاویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قِنْطاراً أى مالاً كثيراً [48] "

"قنطار سے مراد بہت سا مال ہے"

چنانچہ عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صحابہؓ میں بعض دفعہ اچھی خاصی مقدار بھی متعین کی گئی ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم مقرر ہوا تھا، جو آپ ﷺ کی طرف سے شاہِ حبش نجاشی نے مقرر کیا تھا اور ادا بھی کر دیا تھا، جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے:

"أَنَّ النَّجَاشِيَّ، زَوَّجَ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى صَدَاقِ أَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَكَتَبَ بِذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَبِلَ [49]"

" نجاشی نے چار ہزار درہم مہر پر ام حبیبہ بنت ابو سفیان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کرایا، اور رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ لکھ کر بھیجا آپ نے قبول فرما لیا"

یہ بات ذھن میں رکھنی چاہیئے کہ مہر بھی دوسرے قرضوں کی طرح ایک قرض ہے، اس لیے صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ مہر نکاح کے وقت ہی ادا کیا جائے۔ اکثر حالات میں تو مہر مقرر کرنے کی نیت بھی نہیں ہوتی، محض رسمی طور پر مہر مقرر کر لیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ أَعْظَمَ الذُّنُوبِ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، فَلَمَّا قَضَى حَاجَتَهُ مِنْهَا، طَلَّقَهَا، وَذَهَبَ بِمَهْرِهَا [50]"

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گنہگار وہ شخص ہے، جو کسی عورت سے نکاح کرے، پس جب وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے تو اسے طلاق دے دے اور اس کا مہر بھی نہ دے"

4. خواتین اور کسبِ معاش کے مختلف ذرائع:

شریعت نے خاندانی نظام کی بقاء، بچوں کی بہتر نگہداشت، اور خواتین کی فطری صلاحیت کی رعایت کرتے ہوئے، ذمہ داریوں کی اس طرح تقسیم کی ہے کہ کسبِ معاش کی ذمہ داری جس کے لیے محنت، مزدوری، دوڑ، دھوپ کی ضرورت پیش آتی ہے، مرد پر رکھی ہے۔ اور

[47] القرآن ۴: ۲۰

[48] البیضاوی، عبد اللہ بن عمر، أنوار التنزيل وأسرار التأويل، دار إحياء التراث العربي، بیروت، ۱۴۱۸ھ، ۲/ ۶۶

[49] سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، رقم الحدیث ۲۱۰۸

[50] الحاکم، محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، کتاب النکاح، رقم الحدیث ۲۷۴۳

امورِ خانہ داری خواتین سے متعلق رکھے گئے ہیں، اس کی یہ تعبیر درست نہیں کہ عورت گھر کی خادمہ ہے؛ بلکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ عورت گھر کی "مالکہ " ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ [51] ''

"عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کے بچوں کی انچارج ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا"

عورت چاہے کسبِ معاش کی صلاحیت کیوں نہ رکھتی ہو، اسے کسبِ معاش پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اسلام نے عورت پر کسبِ معاش کا دروازہ بالکل ہی بند کر دیا ہے ،اگر وہ اپنے سرپرست یعنی شادی سے پہلے والد اور شادی کے بعد شوہر کی اجازت سے شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے کسبِ معاش کی سرگرمی میں حصہ لینا چاہے تو اس کی گنجائش ہے۔

خواتین کے لیے اسلام کا تصورِ معاش:

اسلام مسلمان عورت کو روزگار کے لیے مختلف شعبوں میں کام کرنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن اصولاً اسے فکرِ معاش سے آزاد رکھا ہے۔ اسلام نے معاشی نظام میں خواتین کے حقوق کا بھرپور تحفظ کیا ہے، اسی وجہ سے معاشی آزادی، مالی حقوق اور قانونی طریقہ کار میں مردوزن کو مساوی درجہ دیا ہے، لہٰذا وہ کوئی بھی جائز پیشہ اختیار کر سکتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

{لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ [52] }

"جو کچھ مردوں نے کسب و عمل کے ذریعہ حاصل کیا، ان کو اس کا حصہ ملے گا اور جو عورتوں نے سعی و عمل کے ذریعہ حاصل کیا ان کو اس کا حصہ ملے گا"

اسی طرح عہد نبوی ﷺ میں صحابیاتؓ مختلف معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہی ہیں اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے رزقِ حلال کماتی رہی ہیں ، چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب ان کی خالہ کو طلاق ہوئی تو انہیں دورانِ عدت اللہ کے رسول ﷺ نے کام کاج کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

'' أُخْرُجِي فَجُدِّي نَخْلَكِ، لَعَلَّكِ أَنْ تَصَدَّقِي مِنْهُ أَوْ تَفْعَلِي خَيْرًا [53] ''

" آپ باہر جا کر کھیتوں میں کام کاج کیا کریں اور کھجور کے درخت کاٹا کریں، تاکہ (اس آمدنی سے) صدقہ کریں یا بھلائی کا کوئی کام کر سکیں"

کسبِ معاش کی مختلف صورتیں:

---

[51] البخاری، کتاب العتق، باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق، رقم الحدیث ۲۵۵۴

[52] القرآن ۴: ۳۲

[53] سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فِي الْمَبْتُوتَةِ تَخْرُجُ بِالنَّهَارِ، رقم الحدیث ۲۲۹۷

کسبِ معاش کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں: ایک صورت ہے براہِ راست معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی، اور دوسری صورت ہے بالواسطہ سرمایہ کاری کی، براہِ راست کسبِ معاش کی چار صورتیں ہیں:

① تجارت (خرید و فروخت) ② زراعت (کاشت کاری)

③ صنعت (کاریگری) ④ اجارہ (کرایہ پر لگانا)

بالواسطہ کسبِ معاش کی تین صورتیں زیادہ اہم ہیں:

① مضاربت ② مشارکت ③ مزارعت

1. مضاربت میں ایک شخص کا سرمایہ ہوتا ہے دوسرے شخص کی محنت، اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔
2. مشارکت میں دو یا دو سے زائد افراد کا سرمایہ ہوتا ہے اور نفع میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں۔
3. مزارعت یہ ہے کہ ایک شخص خود کھیتی کرنے کی بجائے کھیت کسی کسان کے حوالے کر دے اور بٹائی پر اس سے معاملہ طے کر لے۔

یہ تینوں صورتیں ایسی ہیں کہ عمل میں شریک ہوئے بغیر انسان نفع اٹھا سکتا ہے، عورتوں کے لیے سرمایہ کاری کے یہ تینوں راستے جائز ہیں، کیونکہ سرمایہ کاری کی ان تینوں صورتوں میں سرمایہ لگانے والے کا مرد ہونا ضروری نہیں، خواتین بھی ان طریقوں پر سرمایہ کر سکتی ہیں۔

5. خواتین اور املاک میں تصرف کا حق:

اسلام سے پہلے بہت سے مذاہب اور نظامہائے قانون وہ تھے، جن میں عورتوں کو مالک بننے کا حق حاصل نہیں تھا، وہ خود مال اور جائیداد شمار کی جاتی تھیں؛ لیکن اسلام نے بحیثیت انسان، مردوں اور عورتوں کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے۔ جیسے مرد اپنی املاک کا خود مالک ہوتا ہے اور تصرف کرنے کا مجاز ہوتا ہے، اسی طرح عورتیں بھی مالک بن سکتی ہیں اور اپنی املاک کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتی ہیں، قرآن و حدیث سے ایسی کوئی پابندی ثابت نہیں ہوتی اور نہ اس معاملہ میں مردوں اور عورتوں کے احکام میں فرق و امتیاز معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے، اس نیک کام کی نسبت مردوں کی طرف بھی کی ہے اور عورتوں کی طرف بھی، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

{وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ [54]}

"اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں"

---

[54] القرآن ۳۳: ۳۵

نیز حضرت زینبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

’’ تَصَدَّقْنَ، يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ[55] ‘‘

’’ اے گروہِ خواتین! صدقہ کیا کرو، چاہے اپنے زیور سے ہی کر پاؤ‘‘

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے حضور ﷺ کے زمانہ میں باندی آزاد کر دی، اور حضور ﷺ سے اس کی اجازت نہ لی تھی اپنی باری والے دن انہوں نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’ أَمَا إِنَّكِ لَوْ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ [56] ‘‘

’’ اگر تم نے اپنے ماموں وغیرہ کو باندی دے دی ہوتی تو زیادہ باعثِ اجر ہوتا‘‘

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جیسے مردوں کو بالغ ہونے کے بعد اپنے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، یہی حق عورتوں کو بھی حاصل ہے۔ شادی شدہ خواتین اپنے مال میں تصرف کرنے کے لیے شوہر کی اجازت کی پابند نہیں ہیں، وہ جس طرح ایسا تصرف کر سکتی ہیں جس سے ان کو دنیوی نفع حاصل ہو، اسی طرح وہ ہبہ اور صدقہ بھی کر سکتی ہیں، یہی جمہور کا نقطۂ نظر ہے۔

یہ اور بات ہے کہ چوں کہ خواتین کو لوگوں کے بارے میں زیادہ تجربہ نہیں ہوتا اور وہ حالات سے مردوں کی بنسبت کم واقف ہوتی ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ وہ اپنے سرپرستوں یعنی والد اور شوہر وغیرہ سے مشورہ کر لیا کریں تاکہ خود ان کے مفادات کی حفاظت ہو اور وہ نقصان سے بچ سکیں۔

نتائج بحث:

اسلام کی آمد عورت کے لیے غلامی، ذلت اور ظلم و استحصال کے بندھنوں سے آزادی کا پیغام تھی۔ اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کر دیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں اور عورت کو وہ حقوق عطا کیے جس سے وہ معاشرے میں اس عزت و تکریم کی مستحق قرار پائی جس کے مستحق مرد ہیں۔

اسلام نے مختلف طریقوں سے عورتوں کی معاشی حیثیت کو مستحکم کیا ہے تاکہ وہ بالکل ہی محتاج نہ بن جائے۔ اسے مردوں کی طرح ملکیت کا حق عطا کیا۔ عورت کے حق ملکیت میں جہیز اور مہر کا حق بھی شامل ہے۔ قرآن حکیم نے مردوں کو نہ صرف عورت کی ضروریات کا کفیل بنایا بلکہ اُنہیں تلقین کی کہ اگر وہ مہر کی شکل میں ڈھیروں مال بھی دے چکے ہوں تو واپس نہ لیں، کیونکہ وہ عورت کی ملکیت بن چکا ہے، نیز عورت نہ صرف خود کما سکتی ہے بلکہ وراثت کے تحت حاصل ہونے والی املاک کی مالک بھی بن سکتی ہے۔ خواتین کے مالی حقوق اور معاشرتی

---

[55] القشیري، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ، رقم الحدیث ۴۵

[56] البخاری، کِتَابُ الهِبَةِ وَفَضْلِهَا وَالتَّحْرِيضِ عَلَيْهَا، بَابُ هِبَةِ المَرْأَةِ لِغَيْرِ زَوْجِهَا وَعِتْقِهَا، رقم الحدیث ۲۵۹۲

مقام کا جو تصور سیرت نبویہ ﷺ اور اسلامی تعلیمات میں ملتا ہے،اگر اس پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے تو عورتوں کے معاشی مسائل کا حل ممکن ہے۔عورت کے مالی حقوق کو ادا کرنے میں مرد کی حیثیت کو سامنے رکھا جائے گا،وہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر کوئی چیز دینے پر مجبور نہی